فکر و نظر--- اسلام آباد جلد:۴۰-۴۱ شمارہ:۴،۱

چند یادیں چند خطوط

ڈاکٹر خورشید رضوی ☆

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے ذکرِ خیر کے حوالے سے غائبانہ تعارف تو پہلے سے چلا آتا تھا، ''خطباتِ بہاولپور'' کے مطالعے سے اسے اور تقویت ملی۔ بعدازاں ۱۹۸۷ء کے دوران، جب میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد سے وابستہ تھا، ڈاکٹر صاحب کسی سیمینار کے سلسلے میں اسلام آباد تشریف لائے اور ادارہ تحقیقات میں بھی ان کو دعوت دی گئی۔ وہاں زیارت و ملاقات کے علاوہ محمود احمد غازی صاحب کے دولت کدے پر یہ شرف زیادہ قریب سے حاصل ہوا کہ وہاں صرف گنے چنے دوست مدعو تھے۔ رسمی بات چیت سے ڈاکٹر صاحب کو چنداں دل چسپی نہ تھی، چنانچہ وہ باہمہ بے ہمہ کی کیفیت میں تشریف فرما تھے۔ تاہم یاد آتا ہے کہ میں نے ان سے کوئی علمی استفسار کیا تو ثقل سماعت کے باوصف انہوں نے بہت کان دھر کر سنا اور پھر جواب دیتے ہوئے بیشتر توجہ مجھی پر مبذول رکھی۔ میں اُن کی اس علم دوستی سے بہت متأثر ہوا۔ نماز کا وقت ہوگیا تو غازی صاحب کے لان میں جماعت کا اہتمام کیا گیا۔ انہوں نے ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب سے بہت درخواست کی کہ امامت وہ فرمائیں لیکن ڈاکٹر صاحب کا موقف یہ تھا کہ اصولاً امامت صاحب خانہ کو کرانا ہوتی ہے۔ آخر ''الامرفوق الادب'' کے بموجب غازی صاحب کو سرِتسلیم خم کرنا پڑا اور ڈاکٹر صاحب نے مقتدی کی حیثیت سے نماز ادا کی۔

ڈاکٹر صاحب کے بارے میں یہ سن رکھا تھا کہ اگر وہ کسی سیمینار میں جاتے ہیں تو تمام تر وقت اسی کے اجلاسوں میں صرف کرتے ہیں اور سیمینار کے منتظمین کی اجازت کے بغیر کہیں آنا جانا قبول نہیں فرماتے۔ ان کا تصور یہ تھا کہ جس تنظیم نے ایک خاص مقصد کے لئے اخراجات برداشت کر کے انہیں بلوایا ہے، ان کے وقت پر اسی کا حق ہے اور اس حق میں خیانت کرنا درست نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا سامان سفر پلاسٹک کے ایک مختصر سے تھیلے تک محدود ہوتا تھا جس میں اشد ضرورت کی چند اشیاء کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا۔ بے ضرورت گفتگو اور غیر ضروری آمد و رفت سے حتی الامکان اجتناب

☆ 318-F/2 ، جوہر ٹاؤن، لاہور

برتتے تھے۔ اس سال جس سیمینار میں وہ تشریف لائے تھے، اسلام آباد ہوٹل-(اب ہالیڈے ان)- میں منعقد ہو رہا تھا۔ میں ایک وقفۂ اجلاس میں ان سے ملاقات کے لئے وہاں پہنچا۔ ایک بڑی میز کے گردا گرد مختلف مندوبین کی صف میں ڈاکٹر صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ بہت تپاک سے ملے اور اپنے مخصوص دھیمے دھیمے لہجے میں، جو ''نرم دمِ گفتگو'' کی تفسیر تھا، نہایت محبت و شفقت سے ہم کلام ہوئے۔ میں اُن دنوں ابن الشعار کی ''قلائدالجمان'' پر کام میں مصروف تھا۔ اسی ضمن میں میرا ایک عربی مضمون ''ابن الشعّار و آثارہ'' ادارے کے عربی مجلّہ ''الدراسات الاسلامیہ'' میں شائع ہوا تھا۔ اس کا ایک فِصلہ (offprint) میں نے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ ندامت و مسرت سے یاد آتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب سروقد کھڑے ہوگئے اور اس قدر انکسار سے اسے قبول فرمایا جیسے کوئی اعزاز وصول کیا جاتا ہے۔ پھر تشریف فرما ہو کر وہیں اس کی سرسری سے ورق گردانی کی اور مزید شکریہ ادا فرمایا۔ پھر ذرا دیر توقف کے بعد ایک ایسی بات فرمائی جس سے ''الدین النصیحۃ'' کی عملی وضاحت سامنے آئی۔ کہنے لگے آپ کی بڑی عنایت، مگر یہ رسالہ مجھے باقاعدگی سے ملتا ہے۔ پیرس واپس پہنچوں گا تو ڈاک میں موجود ہوگا آپ کا یہ ایک فِصلہ ضائع ہو جائے گا۔ لہٰذا مناسب سمجھیں تو شرکاء میں سے کسی اور کو دے دیں۔ میں اس اخلاص و ایثار پر حیران رہ گیا اور عرض کیا کہ حضرت میں آپ ہی کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے مکرر اسی انکسار کا مظاہرہ فرماتے ہوئے شرفِ قبولیت بخشا۔ میں نے عرض کیا کہ جب یہ مضمون نگاہِ عالی سے گزر چکے گا تو اس کے حوالے سے چند علمی استفسارات کی زحمت دینا چاہوں گا۔ ڈاکٹر صاحب نے بطیبِ خاطر اجازت دی۔ اُن کے پیرس تشریف لے جانے کے بعد مجھ سے آغازِ مراسلت میں سستی ہوتی رہی۔ بالآخر آٹھ اگست ۱۹۸۷ء کو ان کی خدمت میں ایک طویل عریضہ لکھا جس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب کے اس جملے سے سخت شرمندگی ہوئی کہ ''توقع تھی کہ یہ خط ایک مہینہ پہلے آئے گا''۔ بہرحال اس کے بعد خطوط کا تبادلہ ہوتا رہا۔ اس وقت جتنے خطوط دستیاب ہو سکے ہیں ان سطور کے ہمراہ برائے اشاعت منسلک کئے جا رہے ہیں۔ بطور پس منظر میرے اوّلین عریضے کا عکس بھی شامل ہے۔ قارئین ملاحظہ فرما سکیں گے کہ ہر بات کا جواب کس قدر علمی تگ و دو کے بعد کتنی محبت، توجہ، اخلاص، احتیاط، دقّتِ نظر، اور اختصار مگر جامعیت کے ساتھ دیا گیا ہے۔

مجھ میں اور ان میں از روئے عمر باپ اور بیٹے اور از روئے علم استاد اور شاگرد کی نسبت تھی لیکن ان کے لکھے ہوئے القاب دیکھ کر خجالت ہوتی ہے۔ دراصل ان کے ہاں انکسار پالیسی کی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ یہ ان کی طبیعت کا اساسی جوہر تھا جس سے وہ کسی طرح دست بردار نہیں ہو سکتے

تھے۔ بعض اعلام کے بارے میں، ڈاکٹر صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں، میں نے جناب محمود احمد غازی اور جناب غلام مرتضیٰ آزاد کی مدد سے، جو معلومات فراہم ہوسکیں، اُن کی خدمت میں ارسال کر دیں۔ اس کا حوالہ بھی ان مکاتیب میں ملے گا۔ دو ایک خط اس وقت دستیاب نہیں ہوسکے۔ مثلاً جب اوجڑی کیمپ کا حادثہ پیش آیا تو تشویش کی ایک لہر دور دور تک دوڑ گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے اسلام آباد میں اپنے ایک عزیز کی خیریت معلوم کرنے کے لئے خط لکھا جس کا جواب جناب محمود احمد غازی اور جناب محمدالغزالی کی مدد سے خیریت معلوم کر کے لکھ دیا گیا۔ جواب الجواب میں ان کی طرف سے شکریے کا خط آنا لازمی تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے پاس اطراف و اکنافِ عالم سے سینکڑوں خط روزانہ آتے تھے اور ہر خط کا بلاتاخیر جواب لکھنا وہ ایک اخلاقی فریضہ تصور کرتے تھے۔ ان سے مراسلت کے دوران میں جب میں نے محسوس کیا کہ اب میرے استفسارات مکمل ہوگئے ہیں تو میں نے ازخود ڈاکٹر صاحب سے مراسلت بند کر دی کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ اُن کی طرف سے یہ سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا اور میں خواہ مخواہ اُن کے قیمتی وقت کے ضیاع اور اُن کے بارِ مراسلت میں اضافے کا سبب بنوں گا۔ آج اُن کے ہاتھ کی یہ تحریریں میرے لئے سرمایۂ افتخار ہیں جس میں قارئین کو شریک کرنے کے لئے میں انہیں ''فکرونظر'' کے ''ڈاکٹر محمد حمیداللہ نمبر'' کے لئے ارسال کر رہا ہوں۔ اللہ ان ہاتھوں پر رحمت فرمائے، جن کی جنبش ان میں ثبت ہے۔

یلوح الخطُّ فی القرطاس دھراً

وکاتبہ' رمیمٌ فی التراب

مکتوب ڈاکٹر خورشید رضوی بنام ڈاکٹر محمد حمیداللہ

گرامی مرتبت جناب ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ،

اُمید ہے مزاج عالی بخیر ہوں گے۔ امسال اسلام آباد تشریف آوری کے دوران ادارہ تحقیقات میں، محمود غازی صاحب کے دولت خانے پر، اور آخری مرتبہ اسلام آباد ہوٹل میں آپ کی زیارت میرے لئے باعث شرف ہوئی۔ اسلام آباد ہوٹل میں، پیرس کے لئے واپسی سے قبل، میں نے الدراسات الاسلامیہ (اپریل-جون ۱۹۸۷ء) میں شائع ہونے والے اپنے مضمون ''ابن الشعار و آثارہ'' کا ایک نسخہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا جسے آپ نے قبولیت سے سرفراز فرمایا۔ اُمید ہے اسے

آپ کی نظر سے گزرنے کا اعزاز بھی حاصل ہوا ہوگا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس تحقیق کے ضمن میں بعض امور پر آپ سے استفادہ چاہتا ہوں اور آپ نے حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔ چنانچہ چند استفسارات درج کر رہا ہوں۔ جس قدر آپ کے لئے بسہولت ممکن ہوسکے رہنمائی فرمایئے۔ غیر ضروری طور پر آپ کو زحمت دینا مقصود نہیں۔ اس عنایت پر بے حد ممنون ہوں گا۔

۱۔ جیسا کہ میں نے مضمون مذکور کے صفحہ ۸۶-۸۷ پر بیان کیا ہے، مصطفیٰ جواد مرحوم نے کتب خانہ اسکوریال میں المبارک، ابن الشعّار کی ایک کتاب بعنوان ''کتاب الشعراء'' کی نشاندہی کی ہے جو اسکوریال کی مطبوعہ فہرست میں موجود نہیں۔ وہاں کے ارباب بست و کشاد سے کئی مرتبہ کی خط کتابت سے یہ معلوم ہوا کہ وہاں غیر مجلد مخطوطات کا جو ذخیرہ ہے، شاید یہ اس میں ہو۔ بعدازاں گزشتہ سال مراسلت کی تجدید کے نتیجے میں B-Justel صاحب نے اپنے مضمون کا حوالہ دیا جس میں ان مخطوطات کی فہرست چھاپ دی گئی ہے۔ اس کی پہلی قسط Al-Qantara کے Vol.2 (۱۹۸۱) میں شائع ہوئی ہے جو ہمارے ادارے میں موجود تھی۔ اسے میں نے دیکھ لیا ہے۔ مطلوبہ اندراج اس میں نہیں ملا۔ دوسری قسط کے بارے میں انہوں نے جو حوالہ مہیا فرمایا ہے وہ یوں ہے:

REVISTA DEL INSTITUTO EGIPCIO DE LOS ESTUDIOS ISLAMICOS EN MADRID VOLUMEN 32 (1983-84) PP.259-300 (SEGUNDA PARTE)

بعض دوستوں نے معھد المخطوطات العربیۃ، بالقاھرۃ سے رابطہ کرنے کا مشورہ دیا۔ میں نے کوشش کی مگر کچھ سراغ نہ مل سکا۔ لاہور میں بھی کسی لائبریری میں اس قسط کا سراغ نہ ملا۔ میں نے محترم فواد سیزگین صاحب کے نام بھی ایک عریضہ ارسال کیا مگر جواب نہیں آیا۔ معلوم نہیں ان کو میرا خط نہیں ملا یا عدیم الفرصتی سدّ راہ ہوئی۔ کرم ہو اگر آپ رہنمائی فرمائیں۔

۲۔ الوافی بالوفیات کا وہ حصہ جس میں المبارک بن ابی بکر، ابن الشعّار کے حالات ہو سکتے ہیں۔ ہنوز میرے علم کے مطابق، شائع نہیں ہوا۔ اس کا مخطوطہ کہاں ہے؟ اگر معلوم ہوسکے تو متعلقہ حصے کی مائیکروفلم یا عکس منگوانے کی کوشش کروں۔

۳۔ ابن المستوفی کی ''تاریخ اربل'' کا مخطوطہ جو چیسٹر بیٹی لائبریری میں محفوظ ہے اس کی مائیکروفلم سے مجھے استفادے کا موقع ملا۔ علی گڑھ سے مختار الدین صاحب آرزو نے ایک مرتبہ خط میں یہ خیال ظاہر فرمایا تھا کہ شاید یہ شائع ہو چکی ہے۔ کئی ذرائع سے معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن یقینی طور پر علم نہ ہوسکا کہ کتاب کب اور کہاں سے شائع ہوئی ہے۔

۴۔ ابن الدُبیثی محمد بن سعید، اور ابن النجار محمد بن محمود، دونوں ابن الشعار کے شیوخ میں ہیں۔ چنانچہ دونوں کی تصانیف میں اس کا ذکر متوقع ہے۔ مجھے کیمبرج میں ''ذیل تاریخ بغداد'' لابن النجار کے ایک مخطوطے کا علم ہوا تھا تو میں نے مراسلت کی۔ Wilfrid Lockwood صاحب کے جواب سے یہ علم ہوا کہ اس مخطوطے میں صرف ''عبداللہ'' سے ''علی'' تک کے تراجم ہیں۔ اگر ابن الدّبیثی یا ابن النجار کی تصانیف کا کوئی مخطوطہ جس میں ''المبارک بن ابی بکر'' کا اندراج ہو آپ کے علم میں آئے تو مجھے اطلاع سے ممنون فرمایئے۔

۵۔ لفظ ''الشعّار'' کا استعمال تو اس دور میں کئی بار سامنے آیا لیکن اس سے کیا پیشہ مراد تھا، یہ واضح نہ ہوسکا۔ میں نے اپنے مضمون ص ۵۶-۵۷ پر اس سے بحث کی ہے۔ اگر کہیں آپ کی نظر سے گزرا ہو کہ اس پیشے کی کیا حقیقت تھی تو یہ بھی مجھے درکار ہے۔

مجھے احساس ہے کہ اتنا طویل خط لکھنا ایک زیادتی ہے۔ نیز یہ کہ اس طرح کے سوالات کرنا آسان ہے لیکن ان کے جوابات مہیا کرنا سخت جان جوکھم کا کام ہے چنانچہ میں پھر ایک بار عرض کر دوں کہ یہ محض اس لئے لکھ رہا ہوں کہ شاید حسنِ اتفاق سے اپنے مطالعات کے دوران آپ کی نظر سے کوئی چیز گزرے جو میرے مطلب کی ہو۔ آپ ان کے لئے بطورِ خاص زحمت نہ فرمائیں۔ آپ کی اپنی مصروفیات میری نگاہ میں ہیں۔ اتنی طویل تحریر پر معذرت کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔

والسلام

طالب دعا

خورشید

۸۷/۸/۸ء

Dr. Muhammad Hamidullah

4-Rue de Tournon, France, Paris-6

Address

Dr. Khurshid Rizvi

Chief Bureau of Translation, Islamic Research Institute,

Faisal Masjid, P.o.Box, 1035, Islamabad, Pakistan